تقلید اور اس کا حکم

الاستاذ ، محمد نواز الحسنی

کلیة الشریعة والقانون الجامعه الاسلامیه اسلام آباد

تقلید کا لغوی معنی :

تقلید باب تفعیل کا مصدر ہے اور باب تفعیل بذات خود متعدی Transitive Verb ہے اور یہ قلادۃ سے ماخوذ ہے اور قلادہ گلے کے ہار کو کہتے ہیں اور اب تقلید کے معنی ہوئے :

گلے میں ہار ڈالنا اور یا کسی چیز کو گلے کا ہار بنالینا۔

جوہری لکھتا ہے:

القلادۃ التی فی العنق و قلّدت المرأۃ فتقلدت ھی و منه التقلید فی الدین و تقلید الولاۃ الاعمال و تقلید البدنة ان یعلق فی عنقھا شیء لیعلم انھا ھدی (۱)

قلادۃ اسے کہتے ہیں جو گلے میں ہو اور کہا جاتا ہے میں نے عورت کو ہار پہنایا اور اس نے یہ ہار پہن لیا اور اسی سے تقلید فی الدین لی گئی ہے۔

یعنی دین یں کسی کی پیروی کرنا اور سربراہان مملکت کا اپنے اپنے ذمہ کام لینا اور تقلید البدنة کا معنی ہے کہ اس جانور کے گلے میں کوئی ایسی چیز ڈال دینا جس سے پتہ چلے کہ یہ ایک ایسا جانور ہے جسے منیٰ میں حج کے دنوں میں ذبح کیا جاتا ہے۔ اور ابن منظور نے بھی کئی اور معانی بیان کرنے کے ساتھ مذکورہ بالا معنی بھی بیان کئے ہیں۔(۲)

ابن قدامہ لکھتے ہیں:

التقلید فی اللغة وضع الشیء فی العنق مع الاحاطة به ویسمی ذٰلک قلادۃ والجمع قلائد وقال اللہ تعالیٰ ولا الھدی ولا القلائد (۳) (......) ثم یستعمل فی تفویض الامر الی الشخص استعارۃ کانه ربط الامر بعنقه (۴)

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

لغت میں تقلید کے معنی ہیں کہ گردن میں کوئی چیز ڈال دینا اور اسے ہار کہتے ہیں جس کی جمع قلائد ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور نہ کوئی جانور بھیجا جائے اور نہ کوئی ان کے ہار اس کے بعد کسی شخص کے کچھ سپرد کیا جائے تو اس معنی میں تقلید کو استعمال کیا جانے لگا کیونکہ گویا اس کی گردن میں کسی کام کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔

تقلید کا اصطلاحی معنی:

عرفه الغزالی هو قبول قول بلا حجة (۵)

امام غزالی نے اسکی یوں تعریف کی: کسی کی بات بغیر دلیل کے قبول کر لینا۔

ابن قدامہ نے یوں تعریف کی:

هو قبول قول الغير من غير حجة (٦)

کسی دوسرے کی بات بلا دلیل قبول کرنا یہ تقلید ہے۔

شیخ محب اللہ البہاری نے یوں تعریف کی ہے:

هو العمل بقول الغير من غير حجة (٧)

کسی دوسرے کی بات پر بغیر کسی دلیل کے عمل کرنا یہ تقلید ہے اور یہی تعریف شوکانی نے کی ہے۔(۸)

ان تعریفات سے پتہ چلتا ہے کہ جس امام یا مجتہد کی تقلید کی جاتی ہے اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کی رائے یا قول ماخذ شریعت میں سے کوئی ایک ماخذ ہے جیسے قرآنِ مجید، حدیث، اجماع اور قیاس تاہم مجتہد شریعت میں ایک اتھارٹی Authority ہے لہٰذا جو بات شرعی نقطہ نگاہ کو واضح کرنے کے لئے پیش کی ہے اس پر اعتماد وعمل کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی اسپیشلسٹ ڈاکٹر Specialist Doctor کی رائے پر کسی مریض کی مرض اور اس کی دوا کے بارے میں اعتماد کیا جاتا ہے اور بلا چوں و چرا اس پر عمل کیا جاتا ہے اور اس کی وضاحت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں آئین Constitution اور اسی طرح دوسرے قانونی ایکٹ Law Acts مدون شکل میں موجود ہیں مگر کروڑوں پاکستانی باشندے ایسے ہیں جو انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں بلکہ یونیورسٹی

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

اور کالجز کا پڑھا لکھا طبقہ بھی اسے سمجھنے سے قاصر ہے اور جب بھی کوئی عدالت میں کیس دائر کرتا ہے تو کسی ماہر وکیل کی تلاش کرتا ہے اور اس کی قانونی تشریحات Interpretation اور ان کے آئینی مشوروں پر اعتماد کرتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے اور اس کے ساتھ اس وکیل کو وہ شخص نہ حاکم سمجھتا ہے اور نہ قانون ساز بلکہ اسے صرف قانون دان سمجھتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اسے قانون فہمی پر مکمل دسترس حاصل ہے اور اس کی گتھیا سلجھانے اور بیان کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

بالکل اسی طرح کا تعلق ائمہ مجتہدین کا ہے وہ بھی قرآن دانی اور سنت فہمی میں اتھارٹی ہیں اور اس میدان Field میں مکمل دسترس رکھتے ہیں۔

لہٰذا ان کی بیان کردہ قرآن مجید اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور تفسیر پر اعتماد کیا جاتا ہے اور عمل بھی اور اسی کا نام تقلید ہے۔

تقلید کی ابتدا اور اس کا ارتقاء:

چوتھی صدی ہجری سے قبل کسی ایک امام یا کسی ایک فقہی مذہب کی تقلید کا رواج نہ تھا جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو کسی معتبر عالم سے اس کا شرعی حکم دریافت کر لیا جاتا اور اس پر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے عمل شروع کر دیا جاتا اور یہی سمجھا جاتا کہ شریعت پر عمل کیا جارہا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہو رہی ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں یہی انداز بروئے کار رہا اور پڑھنے پڑھانے والے اگر انہیں کسی قسم کی فقہی دشواری پیش آتی تو صحابہ اور جمہور تابعین کے افعال واقوال کی طرف رجوع کرتے اگر یہاں سے انہیں کوئی قابل اطمینان چیز نہ ملتی تو متقدمین علماء میں سے کسی ایک کے قول اور رائے کو اپنا لیتے اور اگر اس مسئلہ میں متقدمین علماء کی دو یا دو سے زیادہ آراء یا اقوال پائے جاتے تو جو ان میں سے زیادہ قابل اعتماد ہوتا اسے اختیار کر لیتے خواہ وہ اہل مدینہ کا قول ہوتا یا اہل کوفہ کا اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہوتا تو اس دور کے ایسے علماء کی طرف رجوع کیا جاتا جو اہل ترجیح سمجھے جاتے تھے یعنی ایسے علماء جن میں یہ صلاحیت تھی کہ دو مختلف آراء میں سے کسی ایک کو دوسری پر دلیل کی بنیاد پر ترجیح دے سکتے تھے۔

اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہوتا تو پھر اس دور کے ایسے قابل فخر علماء کی طرف رجوع کیا جاتا

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

تھا جنہیں اہل تخریج سمجھا جاتا تھا جو متقدمین کی بیان کردہ فروعات اور اصولوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے اور ان میں مزید غور و خوض کر کے اور احکام کی تخریج کر سکتے تھے اور اس طرح درپیش مشکل مسائل اور واقعات کا شرعی حل تلاش کیا جاتا تھا اور جو عالم جس فقہ میں زیادہ ماہر ہوتا اسے اس کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ یہ حنفی فقیہ ہے اور یہ شافعی اور یہ مالکی۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد سے کچھ تو علماء کے باہمی اختلافات کی شدت کی وجہ سے اور کچھ ان کے آئے دن بحث و مناظرہ کی وجہ سے اور کچھ علمی انحطاط اور زوال کی وجہ سے اور کچھ علماء کی ذاتی اور اخلاقی معیار میں پستی آ جانے کی وجہ سے اس میں عافیت سمجھی گئی کہ مذاہب مدونہ اور ائمہ مجتہدین کی تقلید اختیار کر لی جائے اور ان کے بیان کردہ فتاویٰ پر عمل کیا جائے تاہم ایک عرصہ تک اس اسلامی طرز زندگی میں تقلید شخصی کی وہ پابندی پیدا نہیں ہوئی تھی جو بعد کی صدیوں میں نظر آتی ہے اس طرح رفتہ رفتہ تقلید شخصی کو اپنا لیا گیا۔

اور یہ حالات کا شدید ترین دباؤ اور بھاؤ تھا کیونکہ تاتاریوں نے عالم اسلام کی مرکزیت کو تہہ و بالا کر دیا تھا۔ علمی مراکز پریشان و ویران ہو چکے تھے اور وہ بلند پایہ شخصیات جو اجتہاد یا ترجیح یا تخریج مسائل پر دسترس رکھتی تھیں ناپید ہو گئیں تھیں جگہ جگہ جاہلوں اور فتنہ انگیزوں کا قبضہ تھا اور آئے دن دین کے اندر بے سرو پا تاویلات شروع ہونے لگیں تو اس کی وجہ سے علماء نے یہی بہتر سمجھا کہ جو مذاہب قران وسنت کی کسوٹی پر اتر چکے ہیں اور ان کی تدوین بھی ہو چکی ہے تو انہیں اپنا لیا جائے اور اسی میں ہماری سلامتی اور عافیت ہے اور چونکہ یہ خصوصیت مذاہب اربعہ مشہورہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اس لئے انہیں بطور مذاہب اپنا لیا گیا اور یہاں سے باقاعدہ تقلید کا عمل شروع ہو گیا اور اسی تقلید میں مجتہد اور امام مذہب کی حیثیت صرف اتنی ہوتی تھی کہ وہ ایک شریعت اسلامی کا ترجمان اور شارح ہے نہ کہ وہ ایک شارع یا پیغمبر ہے بلکہ اسے پیغمبر اسلام اور اپنے درمیان ایک مضبوط اور قابل اعتماد واسطہ سمجھا جاتا تھا اور اس کے بیان کردہ تمام فقہی مسائل کو اسی زاویہ نگاہ سے قابل اعتبار اور قابل اعتماد سمجھا گیا اور اسے شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ کے طور پر اپنایا اور اختیار کر لیا گیا۔(۹)

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی : امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

تقلید کے اسباب:

تقلید کو اپنانے کے کئی عوامل ہو سکتے ہیں مگر ان میں جو اہم قسم کے عوامل ہو سکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ طلباء کا اپنے اساتذہ کا احترام، یہ وہ فیکٹر ہے جس کی بنیاد پر طلبہ کی یہ بھرپور کوشش رہی کہ ان کے اساتذہ یا پھر اپنے اساتذہ کے اساتذہ کے بیان کردہ اصول اور ان کی بیان کردہ فروع کی باقاعدہ اتباع کی جائے اور یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا یہاں تک کہ خالص تقلید کا دور شروع ہو گیا جس میں تقلید سے ذرا برابر انحراف کو معیوب سمجھا جانے لگا۔ (۱۰)

تنگ نظری اور تعصب پرستی:

متاخرین علماء کے ہاں اس قدر تنگ نظری پیدا ہو گئی کہ اپنے امام کی فقہی آراء کو اپنا مذہب بنا لیا اور دوسرے امام کی فقہی آراء سے تعصب برتنے لگے اور ان کی فقہی کتب کو پڑھنا مناسب نہیں سمجھتے تھے اور اس چیز نے انہیں تقلید کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا۔ (۱۱)

حکام کی بے جا مذہبی مداخلت:

ان ادوار میں حکمرانوں کی یہ کوشش رہی کہ کسی خاص فقہی مذہب کے عالم کو قاضی متعین کیا جاتا جیسے کہ عراق میں حنفی مذہب کا قاضی مقرر کیا جاتا رہا اور اندلس اور افریقی ممالک میں فقہ مالکی کا قاضی معین کیا جاتا رہا۔ اس طرح ہر علاقہ کے علماء اور طلبا، حکمرانوں کی ان خواہشات اور قاضی کے لئے بنیادی ریکوئرمنٹ Requirement کو دیکھ کر اس امام کی فقہ کو پڑھتے اور اس میں بھرپور مہارت پیدا کرتے اور اس طرح دوسرے فقہی مذاہب اور ان کے مسائل سے بالکل یا تقریباً نابلد رہتے۔ (۱۲)

(۴) عقلی تحریک:

یہ ایک ایسی تحریک تھی جو اسلام کی مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقتوں کو آزاد عقلی زاویہ نگاہ سے پرکھنے لگی اور امت مسلمہ کے بنیادی عقیدہ اور اتفاقی مسئلہ میں عقل کے گھوڑے دوڑا دیئے اور

> امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

اختلافات پیدا کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن مجید قدیم ہے یہ ایک متفقہ مسئلہ تھا، اس تحریک کے ارکان نے اس کا انکار کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو غیر ثقہ راوی قرار دے دیا حالانکہ مسلمانوں کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ تمام صحابہ عادل تھے، اسی طرح خدا تعالیٰ کی سات ذاتی صفات میں مسلمانوں کے عام عقیدہ پر حملے کئے اور عقلی موشگافیاں کی۔

اسی طرح اس تحریک نے مسلمانوں کے اندر ہلچل مچا دی اور ملت اسلامیہ میں نئے اختلافات کو جنم دیا۔

جس کی وجہ سے قدامت پسند مفکرین اور علماء نے اسی تحریک کو ایک تخریبی قوت اور امت مسلمہ کے استحکام کے لئے ایک شدید خطرہ قرار دیا۔ اس کے سدباب کے لئے علماء نے سخت رویہ اپنایا، جس کے نتیجہ میں اجتہاد کا دروازہ بھی بند کر دیا اور ثابت شدہ مذاہب فقیہ کی تقلید کا حکم دے دیا تاکہ کسی کو اپنی خواہشات کے مطابق شریعت اسلامی میں موشگافیاں کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اور اس سخت گیری کا مقصد یہ تھا کہ امت اسلامیہ کی یکجہتی اور اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے بچایا جائے۔

(۵) مسلمانوں کی شکست وریخت:

بغداد مسلمانوں کا دارالسلطنت ہونے کے ساتھ ان کا ایک علمی اور اسلامی مرکز اور اسلام کا ایک قلعہ تھا۔ تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں تاتاریوں کے حملہ نے مسلمانوں کے اس مرکز کو اس انداز سے تاخت و تاراج کیا کہ تمام مؤرخ بغداد کی تباہی کی داستان اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جیسے وہ اسلام کے اور مسلمانوں کے مستقبل سے تقریباً ناامید اور مایوس ہو چکے ہیں۔ اس سیاسی زوال کے ساتھ مسلمان مفکرین ذہنی انتشار کا شکار ہو گئے۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس وقت کے علماء نے تقلید کو اپنا لینے میں امت اسلامی کی عافیت و سلامتی سمجھی اور اجتہاد کے نام پر مزید اختلافات و نزاعات کی راہ کو بالکل بند کر دیا۔ (۱۳)

میدان تقلید:

اسلام کے جن احکام میں تقلید صحیح قرار دی گئی ہے ان کو جاننے کے لئے یہ بتانا مناسب ہو گا کہ اسلام کے احکام دو طرح کے ہیں ایک وہ جن کا تعلق مسلمانوں کے عقائد سے ہے۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

مسلمانوں کے عقائد سے مراد ایمانیات ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا عقیدہ، آسمانی کتابوں اور ملائکہ کے ساتھ ایمان لانا۔ ان عقائد میں تقلید بالکل جائز نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی بساط کے مطابق ان کو سمجھے اور اپنا علم پختہ بنا لے خواہ وہ پڑھا لکھا ہے یا نہیں۔ (۱۴)

دوسرے اسلام کے وہ احکام ہیں جن کا تعلق انسانی اعمال سے ہے اور یہ انسانی اعمال چار قسم کے ہیں۔ (۱) عبادات (۲) عادات یعنی اخلاق (۳) معاملات یعنی دوسروں کے ساتھ لین دین (۴) جرائم اور عقوبات (Crimes and Punishment)

ان اعمال سے متعلق اسلامی احکام دو طرح کے ہیں ایک تو وہ احکام ہیں جن کے بارے میں ہمیں قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ شریعت کے احکام ہیں کیونکہ ان احکام کا شریعت کی نصوص سے پتہ چلتا ہے وہ نصوص ثبوت اور دلالت دونوں اعتبار سے قطعی ہیں جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، قتل، زنا اور چوری وغیرہ کے احکام ہیں۔ ایسے احکام میں تقلید جائز نہیں۔ (۱۵)

دوسرے وہ شرعی احکام ہیں جو شریعت کی ایسی نصوص سے ثابت ہیں جو یا ثبوت کے اعتبار سے قطعی نہیں جیسے کہ خبر واحد یا دلالت کے اعتبار سے قطعی نہیں اور یا ثبوت اور دلالت دونوں اعتبار سے قطعی نہیں بلکہ ظنی ہیں۔

اس قسم کے احکام میں عام آدمی کے لئے تقلید جائز ہے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

و اما الاحکام الشرعیة فضربان احدهما یعلم بضرورة عن دین الرسول صلی اللہ علیه وسلم کا الصلوات الخمس و الزکوٰة و صوم شهر رمضان والحج و تحریم الزنا و شرب الخمر وما اشبه ذٰلک فهذا لا یجوز التقلید فیه لان الناس کلهم یشترکون فی ادراکه والعلم به فلا معنی للتقلید فیه و ضرب اٰخر لا یعلم الا بالنظر والاستدلال کفروع العبادات والمعاملات والفروج والمناکحات و غیر ذٰلک من الاحکام فهذا یسوغ فیه التقلید (۱۶)

شرعی احکام دو طرح کے ہیں ایک وہ جو صراحۃً اور بداہۃً دین کا حصہ ہیں

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

جیسے پانچوں نمازیں، زکوٰۃ، رمضان کے روزے، حج نیز زنا، شراب نوشی کی حرمت اور انہیں جیسے دوسرے احکام۔ اس قسم کے احکام میں تقلید بالکل جائز نہیں کیونکہ ان جیسی چیزوں کا علم تمام لوگوں کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے سے ہو ہی جاتا ہے، لہٰذا ان میں تقلید کا کوئی معنی نہیں۔

دوسرے وہ احکام جن کا علم بغیر فکر و نظر اور استدلال کے نہیں آتا جیسے عبادات سے متعلق فروعی مسائل اور معاملات اور شادی بیاہ کے مسائل اس قسم کے احکام میں تقلید جائز اور درست ہے۔

تقلید کا حکم:

تقلید کے حکم سے مراد ہے کہ کیا تقلید جائز ہے کہ نہیں؟

نیز جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں وہ ایسے شخص کے لئے تقلید کا حکم دیتے ہیں جو پڑھا لکھا نہیں ہے یا اتنا پڑھا لکھا نہیں کہ شریعت کے دلائل سے مسائل کی تخریج کر سکے اور ان سے فروع (Provisions) سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

بہر کیف تقلید کے حکم میں سب سے پہلے دو رائے ہیں:

پہلا مذہب یہ کہ تقلید حرام ہے اور بالکل جائز نہیں۔

یہ مذہب بغداد کے ابو علی الجبائی کے علاوہ دیگر معتزلہ کا ہے جن میں سے ابو القاسم الکعبی عبداللہ، جعفر بن بشر، جعفر بن حرب، قاضی ابن ابی داؤد، ثمامہ بن الاشرین، یحیی الاسکافی اور بشر بن المعتمر کا مذہب ہے نیز امامیہ اور ظاہریہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

دوسرا مذہب یہ کہ تقلید جائز اور مباح ہے اور یہ اصول الفقہ کے جمہور علماء کا مذہب ہے۔

تیسرا مذہب یہ کہ تقلید ایک عام آدمی پر اور اسی طرح اس شخص پر جو اجتہاد کرنے سے عاجز ہے، واجب ہے اور یہ جمہور علماء میں سے محققین (۱۷) اور حشویہ اور تعلیمیہ کا مذہب ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ محققین کے نزدیک تقلید صرف مذکورہ بالا فروعی مسائل میں واجب ہے جبکہ حشویہ اور تعلیمیہ (۱۸) کے نزدیک مذکورہ بالا تمام شرعی احکام میں تقلید واجب ہے۔ (۱۹)

تقلید کے عدم جواز پر دلائل اور اس کا تجزیہ:

پہلی دلیل قرآنِ مجید میں ہے:

(و ان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون ہ)(۲۰)

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کہیں جس کا تمہیں علم نہیں۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں بلاعلم کچھ کہنے سے منع کیا گیا ہے اور تقلید بھی بغیر کسی علم کے عمل اور بات کرنے کو کہتے ہیں لہٰذا یہ بھی ممنوع ہوگی۔

اس دلیل پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ تقلید میں خدا کے بارے میں ایسی کوئی بات ہوتی ہے جس کا علم نہیں ہوتا بلکہ اس کا علم اور یقین ہوتا ہے اور وہ اس لئے کہ تقلید کے جواز پر ٹھوس شرعی دلائل موجود ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تقلید میں جس امام کی تقلید کی جاتی ہے اس کے بارے میں یہ کامل یقین ہوتا ہے کہ اس نے یہ جو مسئلہ بیان کیا ہے یہ شریعت کی ٹھوس دلیل پر مبنی ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ بات تسلیم کرلیں کہ تقلید میں غیر یقینی بات پر عمل ہوتا ہے تو پھر یہ چیز تو اجتہاد میں پائی جاتی ہے کیونکہ اجتہادی مسئلہ بھی غیر یقینی ہوتا ہے وہ بھی صرف غالب گمان پر مبنی ہوتا ہے تو پھر اجتہاد بھی جائز نہ ہو جبکہ کوئی بھی اجتہاد کے عدم جواز کا قائل نہیں۔(۲۱)

دوسری دلیل:

قرآنِ مجید میں ہے:

انا وجدنا اٰباء نا علی امۃ و انا علیٰ اٰثارھم مقتدون (۲۲)

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم کی پیروی کررہے ہیں۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیۃ میں تقلید کی خواہ آباء واجداد کی ہو یا کسی معتبر امام اور شخصیت کی مذمت کی گئی ہے اور قابل مذمت چیز شریعت میں جائز نہیں ہوسکتی لہٰذا تقلید جائز نہیں ہوگی۔

اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس تقلید سے مراد عقائد میں تقلید ہے اور یہ صرف اس لئے کہ یہاں پر کچھ ایسی دلیلیں ہیں جو تقلید کو جائز قرار دیتی ہیں اور اس تعارض کو دور کرنے کا یہی آسان.

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

اور بہتر طریقہ ہے کہ جن آیات سے تقلید کے عدم جواز کا پتہ چلتا ہے ان سے مراد وہ تقلید ہے جو عقائد میں ہو۔ (۲۳)

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جس تقلید کی ان آیات میں مذمت کی گئی ہے وہ ایسے لوگوں کی تھی جو گمراہ اور بے دین تھے اور یقیناً ایسے لوگوں کی تقلید قابل مذمت ہے اور ہم جن لوگوں کی تقلید کے جواز کی بات کرتے ہیں وہ نہ صرف مسلمان اور صحیح دین کے حامل ہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے مسلمہ ائمہ بھی ہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور ایسی آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرنا قابل افسوس ہے۔ کیونکہ جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے وہ محل نزاع ہی نہیں۔ (۲۴)

تیسری دلیل:

قرآنِ مجید میں ہے:

ولا تقف ما لیس لک به علم (۲۵)

اس کے در پے نہ ہوں جس کا آپ کو علم نہیں۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیۃ میں ایسی چیز کی اتباع کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے جس کا علم نہ ہو اور تقلید بھی بغیر علم کے کسی کی اتباع کا نام ہے۔ لہٰذا یہ ممنوع ہوگی۔ (۲۶)

اعتراض:

اس پر یہ اعتراض ہے کہ علم سے مراد یہاں پر یقین ہے کیونکہ قرآنِ مجید میں یہ لفظ اسی معنٰی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ ظن میں اور اس آیت کا تعلق ایسے امور سے ہے جن کے بارے میں یقینی علم ہونا ضروری ہے ورنہ انسان مسلمان نہیں ہوسکتا اور یہ تحقیقات ہیں اور وہ امور ہیں جو قطعی طور پر ثابت ہیں اور ایسے امور میں جمہور علماء بھی یہی کہتے ہیں کہ ان میں تقلید جائز نہیں، تقلید جن احکام میں جائز ہے وہ ظنی ہیں۔

رہی یہ بات کہ علم بمعنٰی یقین ہے تو یہ بات خود شوکانی نے ایک بڑے عالم سے نقل کی

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

ہے اور مذکورہ بالا دلیل بھی شوکانی کی پیش کردہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

قال ابن عبدالبر حد العلم عند العلماء والمتکلمین فی ھذا المعنی ھو ما استیقنته و تبینة و کل ما استیقن شیئا و تبینه فقد علمه (۲۷)

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ علماء اور متکلمین کے نزدیک علم کی تعریف یہ ہے کہ جس کا آپ کو یقین آ جائے اور آپ کا ذہن اس میں بالکل واضح ہو اور جس نے کسی کا یقین کرلیا اور وہ اس چیز کے بارے میں بالکل واضح ہو گیا تو گویا اسے اس کا علم یعنی یقین آ گیا ہے۔

چوتھی دلیل:

قرآنِ مجید میں ہے:

و اذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیه اٰباء نا اولو کان اٰبائھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون ○ (۲۸)

جب انہیں کہا گیا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اس کی پیروی کریں تو جواب دیا کہ ہم تو صرف اس کی اتباع کرینگے جس پر اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ خواہ انکے آباؤ اجداد کسی چیز کی سمجھ نہ رکھتے ہوں اور بالکل گمراہ ہوں۔

وجہ استدلال: اس آیۃ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع کے علاوہ کسی اور کی کورانہ تقلید اور اتباع کی سخت مذمت کی ہے۔

جب تقلید قابل مذمت ہے تو حرام ہوگی نہ کہ جائز۔

اعتراض:

اس پر پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ یہ آیۃ کریمہ اسلام کے ان احکام کا ذکر کر رہی ہے جن کا تعلق عقائد سے ہے جیسے توحید، رسالت اور عقیدۂ آخرت وغیرہ اور یہ آیت عقائد میں تقلید و اتباع سے منع کر رہی ہے اور جمہور علماء بھی عقائد میں تقلید جائز نہیں کہتے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

امیر بادشاہ لکھتے ہیں:

فما يحل الاستفتاء فيه الاحكام انطنية لا العقلية المتعلقة بالاعتقاد فان المطلوب فيها العلم على المذهب الصحيح فلا يجوز التقليد فيها بل يجب تحصيلها بالنظر الصحيح و هو قول الاكثرين و اختاره الرازی والامدی و ابن الحاجب بل حكان الاستاذ الاسفرائينی عن اجماع اهل العلم من الحق و غيرهم من الطوائف (۲۹)

ظنی مسائل میں استفتاء جائز ہے نہ کہ عقلی احکام میں۔ جن کا تعلق اعتقاد سے ہے کیونکہ ان میں قطعی علم درکار ہے چنانچہ صحیح مذہب یہی ہے کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں کیونکہ ایسے عقائد کو صحیح استدلال کے ذریعہ جاننا ضروری ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اور اسے ہی امام رازی، آمدی اور ابن الحاجب نے اختیار کیا ہے اور استاذ اسفرائنی نے علماء حق اور دوسرے کئی گروہوں کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے آباؤ اجداد کی تقلید کرنے کی مذمت کی ہے جو رشد و ہدایت سے بالکل عاری اور خالی اور گمراہ تھے۔ جمہور علماء نے جن ائمہ کی تقلید کو جائز قرار دیا ہے وہ تو رشد و ہدایت کے قابل فخر مقام پر فائز تھے۔ لہٰذا ان محترم شخصیات اور قابل قدر بزرگوں کو کافروں کے آباء واجداد پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے۔

تیسرا اعتراض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی اتباع وتقلید سے منع کیا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو یکسر مسترد کر دیا تھا اور اس کا سختی سے انکار کیا جبکہ ائمہ مجتہدین تو وہ عظیم ہستیاں ہیں جو شریعت کا عمل پیکر اور مینارۂ نور ہیں۔ ایسے لوگوں کی اتباع اور تقلید کو منکرین اسلام کی اتباع پر قیاس کرنا میرے خیال میں بڑی ناانصافی ہے۔

پانچویں دلیل:

قرآنِ مجید میں ہے:

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالى : امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

اتخذوا احبارھم و رھبانھم ارباباً مِّنْ دون اللہ (۳۰)

انہوں نے اپنے علماء اور تارک الدنیا زاہدوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنا پروردگار بنالیا۔

شوکانی نقل کرتے ہیں:

اخرج البیھقی و ابن عبدالبر عن حذیفہ بن ایمان انہ قیل لہ فی قولہ تعالیٰ (اتخذوا احبارھم و رھبانھم ارباباً من دون اللہ) أکانوا یعبدونھم فقال : لا ولکن یحلون لھم الحرام فیحلونہ و یحرمون علیھم الحلال فیحرمونہ فصاروا بذلک ارباباً) (۳۱)

بیہقی اور ابن عبدالبر نے حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت کیا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا فرمان کے بارے میں یہ پوچھا گیا کہ کیا وہ لوگ ان احبار اور رھبان کی عبادت کرتے تھے تو حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ احبار و رھبان حرام کو لوگوں کے لئے حلال بتاتے تو لوگ انہیں حلال سمجھنے لگتے اور حلال کو ان پر حرام بتاتے تو لوگ انہیں حرام سمجھنے لگتے اور اس لئے یہ ارباب بن گئے۔

اعتراض:

اس پر تین اعتراض کئے گئے ہیں:

پہلا اعتراض یہ کہ کسی مجتہد کی تقلید اور اتباع ایک شارع اور قانون ساز کی حیثیت سے نہیں کی جاتی بلکہ یہ اس کی شارح قانون اور ترجمان شریعت کی حیثیت سے کی جاتی ہے اور یہ حضرات اسی چیز کو حلال بناتے ہیں جو شریعت اسلامی میں حلال ہے اور اسی چیز کو حرام کہتے ہیں جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ احبار و رھبان کے احکام و اقوال کی تقلید و اتباع کی، اس لئے مذمت کی گئی ہے کہ ان کے احکام اسلامی شریعت کے بالکل خلاف تھے۔

جبکہ ائمہ مجتہدین کے بیان کردہ فقہی مسائل اسلامی شریعت کے عین مطابق ہیں۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کو اصل کتاب کے احبار و رھبان کے زمرہ میں داخل کرنا ایک تعصب ہے کیونکہ اہل کتاب کے نزدیک پوپ گناہ سے پاک ہے اور وہ ایک شارع Legislator, or Law giver ہے اور اسے یہ حق Right حاصل ہے جسے چاہے حلال کرے اور جسے چاہے حرام قرار دے۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopaedia of Burtanica) میں ہے

''پوپ واضع قانون (Law maker) اور قاضی کی حیثیت میں اسے وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو کلیساؤں کی اجماعی کونسل کو حاصل ہیں۔ چنانچہ پوپ کے اقتدار اعلیٰ کے دو لازمی حقوق ہیں۔ ایک یہ کہ عقائد وغیرہ کے سلسلے میں وہ غلطی اور خطا سے پاک ہے اور دوسرا یہ کہ تمام اصل عقیدہ پر ہر پہلو سے اسے مکمل قانونی اختیار حاصل ہے۔ (۳۲)

دوسری جگہ میں لکھا ہے کہ رومن کیتھولک چرچ (Roman Catholic Church) پوپ کی معصومیت کا قائل ہے کہ جب پوپ اصل عقیدہ پر نافذ ہونے والا ایسا فرمان جاری کرے جو ان کے عقائد یا اخلاقیات سے متعلق ہو تو وہ اس میں کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ (۳۳)

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک پوپ کو درج ذیل مراتب حاصل تھے۔

۱۔ پوپ اہل کتاب کے نزدیک ایک مستقل حجت ہے جبکہ تقلید کی تعریف میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ مجتہد کا قول بذات خود کوئی حجت نہیں۔

۲۔ پوپ کو عقائد میں بھی کوئی حکم جاری کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے اور اس کا ایسا حکم عیسائیوں پر نافذ العمل ہوگا۔ جبکہ ائمہ مجتہدین کے مقلدین، عقائد میں تقلید کے قائل ہی نہیں۔

۳۔ عیسائیوں کے نزدیک پوپ کو واضع قانون اور شارع کی حیثیت حاصل ہے جبکہ ائمہ مجتہدین کی حیثیت صرف شارح قانون کی ہے نہ کہ شارع اور واضع کی۔

۴۔ عیسائی مذہب میں احبار و رھبان یعنی پوپ خطا اور غلطی سے پاک ہے جبکہ جمہور اہل السنّت کے نزدیک ائمہ کرام معصوم عن الخطاء نہیں بلکہ ان کے ہر اجتہاد میں خطا کا احتمال رہتا ہے۔

۵۔ عیسائیوں کے نزدیک پوپ کو مکمل قانونی اختیار حاصل ہے اور کسی عیسائی کو اس کے کسی حکم

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

سے سرمو انحراف کی اجازت نہیں جبکہ ائمہ مجتہدین کے مقلدین کے نزدیک اپنے امام کے قول اور مسئلہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے امام کے قول اور مسئلہ کو اختیار کیا جا سکتا ہے اور سب مقلدین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ تمام ائمہ کرام برحق ہیں اور ہر مقلد جس طرح اپنے امام کو برحق اور اس کے فقہی مسائل کو صحیح سمجھتا ہے، قرآنِ مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ اسلامی احکام پر عمل کرنے کی منزل کو پانے کے چار مسلمہ راستے ہیں جن کی حدود اور نشانات کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے اور یہ وہ راستے ہیں جو جانے پہچانے بھی ہیں اور آزمودہ بھی یعنی اگر انمیں سے کسی ایک جادہ راہ پر کوئی مسلمان گامزن ہوتا ہے تو یقیناً اسے منزل مل ہی جاتی ہے اب رہا یہ سوال کہ ان میں سے کسی ایک کی تقلید اور اتباع کی پابندی کیوں ضروری ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف اس لئے تاکہ بآسانی منزل کو پالیا جائے اور راستہ بدل بدل کر چلنے کی صعوبتوں اور ذہنی پریشانیوں سے بچایا جائے۔

چھٹی دلیل:

قرآنِ مجید میں ہے:

و اذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللّٰہ الی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اٰبائنا او لو کان اٰبائھم لا یعلمون شیئا ولا یھتدون o
(۳۴)

جب ان کفار سے کہا جائے کہ جو اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے اس کو اپنا لو تو جواب دیتے ہیں کہ جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اگرچہ ان کے آباء و اجداد کچھ نہیں جانتے تھے اور نہ ہی وہ ہدایت یافتہ تھے۔

وجہ الاستدلال: اگرچہ یہ آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن جو علت ان کفار کے انکار کی ہے وہ بعینہٖ مقلدین میں بھی پائی جاتی ہے لہٰذا جس طرح کفار قابل مذمت ہیں اسی طرح یہ مقلدین بھی اور یہ صرف تقلید کی وجہ سے ہے لہٰذا تقلید جائز نہیں ہے۔ (۳۵)

اعتراض:

مقلدین کو کفار پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ کفار نے ایسے آباء واجداد کی اتباع کو اختیار کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اسلامی کو نہیں مانتے تھے اور دورِ جہالت کے اصولوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔ جبکہ مقلدین ایسے حضرات کی اتباع کرتے ہیں جو نہ صرف شریعت اسلامی کو دل و جان سے مانتے ہیں بلکہ اس پر ساری زندگی عمل بھی کیا اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تلقین کی اور اس پر مستزاد یہ کہ اس شریعت اسلامی کے اجمالی اور احتمالی احکام کو واضح (Explain) بھی کیا۔

ساتویں دلیل:

شوکانی مرحوم نے یہاں پر کئی اور اس قسم کی آیات کو استدلال کے طور پر پیش کیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ و کذٰلک ما ارسلنا من قبلک فی قریة من نذیر الا قال مترفوھا انّا وجدنا اٰباء نا علٰی امة و انا علٰی اٰثارھم مقتدون ○ قال اولو جئتکم باھدٰی مما وجدتم علیه اٰباء کم ط قالوا انا بما ارسلتم بهٖ کٰفرون ○ (۳٦)

اسی طرح تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی خوف دلانے والا بھیجا تو اس کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں ہر نبی نے ان سے پوچھا کیا تم اسی ڈگر پر چلتے رہو گے خواہ میں تمہیں اس سے زیادہ صحیح راستہ بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ انہوں نے سارے رسولوں کو یہی جواب دیا کہ جس دین کی طرف بلانے کی طرف تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

۲۔ اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بھم الاسباب ○ وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرة فنتبرأ منھم کما تبرأوا منا کذالک یریھم الله اعمالھم حسرات علیھم وماھم

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

بخار جین من النار ○ (۳۷)

وہی پیشوا اور رہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی اپنے اتباع گزاروں سے لاتعلق ظاہر کریں گے، مگر سزا پا کر رہیں گے اور ان کے سارے وسائل و اسباب کا سلسلہ کٹ جائے گا اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں ہم ان سے بیزار ہو کر دکھاتے یوں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کر رہے ہیں ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

۳۔ اذ قال لابیه و قومهٖ ما هٰذهِ التماثیل التی انتم لها عاكفون ط قالوا وجدنا اٰباء نا لها عابدین ○ (۳۸)

یاد کرو وہ موقع جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے کہا تھا کہ یہ مورتیں کیسی ہیں جن پر تم جھکے ہوئے ہو تو انہوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان مورتیوں کی عبادت کرتے پایا ہے۔

۴۔ انا اطعنا سادتنا و كبر آء نا فاضلونا السبيل (۳۹)

ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے راہ راست سے بے راہ کر دیا۔

ان آیات کو نقل کرنے کے بعد شوکانی مرحوم لکھتے ہیں:

و ان كان تنزيلها فی الكفار لكنه قد صح تاويلها فی المقلدين لا تحاد العلة و قد تقرر فی الاصول ان الاعتبار بعموم اللفظ لا بخصوص السبب و ان الحكم يدور مع العلة و جودا و عدما (۴۰)

اگرچہ ان آیات کریمہ کا نزول کفار کے بارے میں ہے تاہم انہیں بذریعہ تاویل مقلدین پر منطبق کرنا صحیح ہے کیونکہ نصوص میں لفظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ شان نزول کا اور ہمیشہ شرعی حکم علت کے ساتھ رہتا ہے اگر

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

علت ہو تو حکم بھی ہو گا اور علت نہیں تو اس کا حکم بھی نہیں ہو گا۔

پھر فرمایا:

وقد احتج اهل العلم بهذا الأيات على ابطال التقليد ولم يمنعهم من ذلک كونها نازلة فى الكفار (۴۱)

اہل علم حضرات نے انہیں آیات سے تقلید کے بطلان پر استدلال کیا ہے اور انہیں اس بات نے ایسا کرنے سے نہیں روکا کہ یہ آیات تو صرف کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اعتراض:

اس پر وہی اعتراض ہو سکتا ہے جس کا ہم نے چھٹی دلیل کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اہل علم حضرات نے انہیں آیات سے تقلید کے بطلان پر استدلال کیا ہے تو ان اہل علم حضرات سے کون مراد ہیں۔ اگر ان سے مراد شوکانی مرحوم کی طرح کے امالِ ظاہر جیسے ابن حزم ظاہری اور چند معتزلہ اور ابن القیم مراد ہیں تو ان کے استدلال سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اگر ان سے مراد کوئی اور اہل حضرات ہیں تو یہ بات قابل تسلیم نہیں کیونکہ امر واقع اس کے بالکل خلاف ہے۔

آٹھویں دلیل:

یہ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم'' (۴۲)

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اعتراض:

پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ یہ حدیث محل نزاع ہی نہیں کیونکہ شریعت میں علم کا معنی یقین ہے اور تقلید اجتہادی مسائل میں ہوتی ہے اور اجتہادی مسائل ظنی ہوتے ہیں نہ کہ یقینی (۴۳)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس فرض سے مراد فرض کفائی ہے نہ کہ فرض عین ورنہ مسلمانوں

پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے گا اور یہ زندگی اجیرن بن جائے گی کیونکہ ہر شخص تو علم کے حصول میں لگا ہو گا تو پھر کاشت کون کرے گا، زرعی اجناس کہاں سے پیدا ہوں گی، مسلمان ان کے بغیر کیسے زندہ رہیں گے، نیز کاشت کاری کے لئے آلات وادوات کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں درکھان، لوہار مہیا کرتے ہیں وہ کہاں اور کیسے پیدا ہوں گے، انسان کو جسم ڈھانپنے کے لئے اور سردی اور گرمی سے بچانے کے لئے اسے لباس کی ضرورت ہے اس کے کپڑے اور جوتے کون بنائے گا اور کیسے بنائے گا جبکہ روئی کاشت کرنے والا نہیں، کپڑے بننے اور سینے والا نہیں ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر قیامت تک ایسا نہ ہوا ہے اور نہ ہی اس طرح ممکن ہے۔ لہٰذا اس حدیث مبارک میں فریضہ سے مراد فرض کفائی نہ کہ عین۔ (۴۴)

نویں دلیل:

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اجتهدوا فكل ميسر لما خلق له"(۴۵)

کوشش کرو پس جس چیز کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اسے اس پر آسان بنا دیا ہے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور کریم نے صیغہ امر کے ساتھ فرمایا اجتہاد کرو اور جمہور علماء کے نزدیک اس کا حقیقی معنی وجوب ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ سب لوگوں پر اجتہاد کرنا واجب ہے۔ جب اجتہاد واجب ہے تو تقلید کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔

اعتراض:

پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ اس حدیث میں اجتہاد کرنے کا حکم ان کے لئے ہے جن میں اجتہاد کرنے کی اہلیت اور قابلیت پائی جاتی ہے یہ ایک تو اس لئے تاکہ اس حدیث اور تقلید کے جواز کی دلائل کے درمیان مطابقت و موافقت پیدا کی جائے کیونکہ اصول الفقہ کا یہ قاعدہ ہے:

"اعمال الدليلين اولى من اهمال احدهما"

شریعت کی دونوں بظاہر متضاد دلیلوں کو قابل عمل بنانا یہ بہتر ہے اس سے کہ ان میں سے ایک کو قابل عمل بنایا جائے یعنی اس پر عمل کیا جائے اور دوسری

کوترک کر دیا جائے۔(۴۶)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ اجتہاد کا حکم ایک گنوار اور جاہل کو بھی ہو تو یہ اس کے لئے تکلیف مالایطاق یعنی کسی کو ایسے کام کرنے کا حکم دینا جسے کرنے کی اس میں استطاعت ہی نہیں یہ اصول الفقہ کی رو سے صحیح نہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ صحیح بخاری، مسلم اور سنن ابی داؤد میں اجتھدوا کے بجائے اعملوا کا لفظ ہے اور اس حدیث میں عمل اور سعی کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ اجتہاد کرنے کا۔

دسویں دلیل:

روی عن ابن مسعود انه قال الا لایقلدن احدکم دینه ان اٰمن امن و ان کفر کفر فانه لا اسوة فی الشر (۴۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی بھی اپنے دین میں کسی کی تقلید اس طرح نہ کرے کہ اگر وہ ایمان لائے تو یہ بھی ایمان لے آئے اور اگر وہ کافر ہو جائے تو یہ بھی کافر بن جائے اور بلاشبہ برائی میں کوئی اقتداء اور پیروی نہیں۔

اعتراض:

اس پر ایک تو یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے اور کیا قول الصحابی حجتہ اور دلیل ہے کہ نہیں اس میں علماء کی دو رائے ہیں کچھ علماء تو کہتے ہیں کہ حجت ہے اور کچھ فرماتے ہیں کہ حجتہ نہیں۔ کیونکہ شرعی حجت اسی کا قول ہو سکتا ہے جو معصوم ہو اور معصوم صرف انبیاء ہیں نہ کہ صحابہ۔ اس نزاعی مسئلہ سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مطلقاً تقلید سے منع نہیں فرمایا بلکہ صراحت کر دی ہے کہ برائی میں تقلید جائز نہیں۔ **لا اسوة فی الشر** یعنی برائی میں کوئی اقتداء یعنی تقلید نہیں ہے۔

اور ائمہ مجتہدین کی فقہی کاوشیں اور کتابیں یہ تو اسلامی شریعت کا وہ قابل فخر خوبصورت

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

کارنامہ ہے جسے رہتی دنیا تک داد تحسین پیش کی جاتی رہے گی اور امۃ اسلامیہ ہمیشہ اور ہر دور میں ان کارہائے نمایاں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہے اور اسے ایک قابل تقلید نمونہ قرار دے چکی ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول سے تقلید کے عدم جواز پر استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ کسی شخص کی اس طرح تقلید کرنا کہ اگر امام صحیح کام کرتا ہے تو مقلد بھی صحیح کام کرتا ہے اور اگر امام غلط کام کرتا ہے تو مقلد بھی غلط کام کرتا ہے۔ یعنی مقلد وہی کچھ کرتا ہے جو اس کا امام کرتا ہے اور محل نزاع وہ تقلید ہے جس میں امام اجتہاد کرتا ہے اور مقلد اجتہاد نہیں بلکہ تقلید کرتا ہے۔

گیارہویں دلیل:

ائمہ مجتہدین نے خود اپنی تقلید کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ اگر تقلید جائز ہوتی تو ائمہ کرام اس سے منع نہ فرماتے۔ محترم شوکانی نے یہاں پر تمام ائمہ کرام کے ایسے اقوال کا ذکر کیا ہے جن میں تقلید سے منع کیا گیا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انه قیل لابی حنیفه اذا قلت قولا و کتاب الله یخالفه قال اترکوا قولی بکتاب الله فقیل له اذا کان خبر الرسول صلی الله علیه وسلم یخالفه قال اترکوا قولی بخبر الرسول صلی الله علیه وسلم فقیل له اذا کان قول الصحابی یخالفه فقال اترکوا قولی بقول الصحابی (۴۸)

حضرت امام ابی حنیفہ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی بات آپ کہتے ہیں اور وہ کتاب اللہ کے خلاف ہے تو فرمایا میری بات کو ترک کر کے کتاب اللہ پر عمل کیا جائے۔ پوچھا گیا کہ اگر آپ کے قول کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہو تو فرمایا کہ میری بات کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو پھر پوچھا گیا کہ اگر آپ کی بات کے خلاف کسی صحابی کا قول ہو تو فرمایا کہ میری بات کو چھوڑ کر صحابی کے قول پر عمل کریں۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

اس کا جواب:

اس کا جواب دینے سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہی ان تمام ائمہ کرام کی خوبی اور تقویٰ ہے جس کی بنیاد پر ان کی تقلید کو ضروری سمجھا گیا خاص کر اس دور میں جو افراتفری اور مسلمانوں کی دشواریوں کا دور تھا۔

اب اس کا جواب یہ ہے کہ ایک مسلمہ حقیقت اور اصول ہے کہ جب قرآنِ مجید کی نص قطعی پائی جائے اور وہ دلالت کے اعتبار سے بھی قطعی ہے تو اس کے خلاف جو کچھ بھی ہو وہ مردود اور نا قابل اعتبار ہے یہی حال اگر حضور کریم کی حدیث کا ہے تو اس کے برعکس کوئی چیز قابل قبول نہیں۔

اسی طرح اگر حضور کریم کی حدیث کی خبر واحد ہے اور وہ قبول حدیث کی ان تمام شرائط کا احاطہ کرتی ہے جو محدثین اور فقہاء نے اس کو قبول کرنے کے لئے لگائی ہیں تو اس کے برعکس بھی کسی امام کا قول قابل قبول نہیں اور اسی طرح صحابی کا قول ہے اور وہ تمام شرائط قبول کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کے خلاف کسی اور صحابی کا قول نہیں ہے تو وہ بھی سر آنکھوں پر اور اس کے بالمقابل کسی غیر صحابی کا قول قابل قبول نہیں۔

اور ہمارے ان تمام ائمہ کرام کے اقوال کو کتابوں میں مدون کر دیا گیا ہے اور ان کے بیان کردہ اصولوں کو بھی زیورِ تدوین سے آراستہ کر دیا گیا۔ اور پھر ہر ایک امام کی فقہ میں مختلف اقوال کے درمیان ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے طویل بحث و مباحثہ و موازنہ کے بعد یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ کون راجح ہے اور دلیل کی بنیاد پر زیادہ قابل قبول ہے اور کون مرجوح ہے اور یہ سب راجح اقوال وہ ہیں جو قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ کے موافق ہیں نہ کہ مخالف اور ائمہ کرام کی تقلید کا مطلب ان کے انہی راجح اقوال میں اتباع ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

معن بن عیسیٰ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام کو یہ کہتے سنا ہے:

انما انا بشر اخطی و اصیب فانظروا فی رای. کل ما وافق الکتاب والسنة فخذوا به و مالم یوافق الکتاب والسنة فاترکوه (۴۹)

بلاشبہ میں ایک انسان ہوں کبھی غلطی کر جاتا ہوں اور کبھی نہیں۔ میری رائے

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

میں یہ خیال رکھنا کہ اگر یہ کتاب اور حدیث کے موافق ہے تو اس پر عمل کرنا اور اگر موافق نہیں ہے تو عمل نہ کرنا۔

اس کا پہلا جواب بھی وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ امام قرافی نے امام مالک کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

الاولی قال ابن القصار قال مالک یجب علی العوام تقلید المجتهدین فی الاحکام کما یجب علی المجتهدین الاجتهاد فی ایمان الأدلة (۵۰)

پہلی صورۃ یہ ہے کہ ابن قصار نے فرمایا ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ عوام پر احکام میں مجتھدین کی تقلید واجب ہے جس طرح کہ مجتہدین پر دلیلوں میں اجتہاد کرنا واجب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان۔

قال الشافعی ما قلت وکان النبی صلی الله علیه وسلم قد قال بخلاف قولی فماصح من حدیث النبی صلی الله علیه وسلم اولی ولا تقلدونی (۵۲)

امام شافعی نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک بات کی اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس کے خلاف ہے اور وہ حدیث صحیح ہے تو اس کو اپنانا بہتر ہے میری بات سے اور میری تقلید نہ کرنا۔

وجہ استدلال یہ کہ اس قول میں امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ ان کا قول کسی حدیث کے خلاف ہو اور یہی تمام علماء کا مذہب ہے اور اب تو یہ ممکن ہی نہیں رہا کیونکہ تمام فقہی مذاہب میں بذریعہ تحقیق ایسے ضعیف اقوال کو مرجوح قرار دیا جا چکا ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ امام شافعی مفہوم مخالف کے قائل ہیں اور ان کے اس قول کا مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ اگر میرا قول حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے تو اس میں تقلید کی جائے۔

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ مذہب شافعی کے علماء اپنے مذہب کو دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر جانتے ہیں اور ان کی واضح اکثریت تقلید کی قائل ہے۔ (۵۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فرمان:

محترم شوکانی مرحوم نے امام احمد سے تقلید کے خلاف تو کوئی قول نہیں ملا ہاں البتہ رائے کے خلاف ان کا قول ذکر کیا ہے جو کہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ (۵۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام احمد سے باقاعدہ تقلید کے جواز پر صراحت پائی جاتی ہے۔

> **ذکر ابو حفص فی کتاب احمد رحمہ اللہ عن اسماعیل بن علی عن عبداللہ قال : سألت ابی عن الرجل تکون عندہ الکتب الصنفة فیھا قول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و اختلاف الصحابة والتابعین ولیس للرجل بصر بالحدیث الضعیف المتروک ولا الاسناد القوی من الضعیف فیجوز ان یعمل بماشاء و یتخیر ما احب منھا فیفتی بہ و یعمل بہ؟ قال لا یعمل حتیٰ یسأل ما یوخذبہ منھا فیکون یعمل علی امر صحیح یسأل عن ذالک اھل العلم . و یعمل بما افتوہ بہ (۵۴)**
>
> اب حفص نے اپنی کتاب امام احمد میں اسماعیل بن علی کے ذریعہ حضرت امام احمد کے بیٹے عبداللہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا کہ اس کے پاس تصنیف شدہ کتب موجود ہیں اور ان میں حضور کریم کی حدیث اور صحابہ اور تابعین کے اپنے اختلافات کا ذکر موجود ہے۔ مگر اس شخص میں اتنی بصیرت نہیں کہ وہ حدیث ضعیف متروک کو اور اسناد قوی کو ضعیف سے جان سکے تو کیا ایسا شخص جیسے چاہے ویسے عمل کرے اور جو اسے زیادہ پسند آئے اسے اختیار کر کے اس پر عمل کرے اور اس کے مطابق فتویٰ دے؟ تو امام احمد نے فرمایا وہ شخص اس وقت تک عمل نہ کرے تاوقتیکہ وہ یہ نہ پوچھ لے

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ [illegible] ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

کہ کونسی اور بات لی جانی چاہئے۔ اسے صحیح بات پر عمل کرنے کے لئے اہل علم حضرات سے پہلے پوچھ لینا چاہئے اور اس پر عمل کرے جس کا یہ حضرات فتویٰ دیں۔

عبدالمحسن بن عبداللہ ترکی سابق وائس چانسلر جامعیہ اسلامیہ امام محمد اور موجودہ چیئرمین رابطہ عالم اسلامیہ اس کے بعد ایک جگہ یہ لکھتے ہیں:

و ظاهر هذا ان فرضه التقليد والسوال اذا لم تكن له معرفة بالكتاب و السنة۔(۵۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک ایسے شخص پر تقلید اور کسی عالم سے سوال کرنا ضروری ہے، جسے کتاب اور سنۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح جان پہچان نہیں۔

دوسری جگہ اس کے نیچے یہ لکھا:

و استنبطوا من هذا : ان احمديری و جوب التقليد للعامی (۵۶)

اس سے ہمارے علماء نے یہ مطالب لیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عام آدمی پر تقلید واجب ہے۔ اور یہی حال تمام جنگی علماء کا ہے۔ ماسوائے ابن القیم کے(۵۷)

ان تصریحات سے تقلید کے بارے میں ائمہ حضرات کا موقف واضح ہوتا ہے کہ ایک عام گنوار آدمی کے لئے کسی امام اور مجتہد کی تقلید کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے اور تقلید کی حرمت اور عدم جواز پر جتنی دلیلیں پیش کی گئی ہیں وہ اپنا مدعیٰ ثابت کرنے سے قاصر ہیں اور یہی اس بحث کا نتیجہ ہے اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔

اس پر بحث کو ختم کرتے ہوئے دربار ایزدی میں بصد عجز وانکسار یہ دعا ہے کہ وہ میری اس چھوٹی سی کاوش کو زیورِ قبولیت سے آراستہ فرمائے اور میرے لئے اسے ذریعہ نجات بنائے۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

حوالہ جات

۱۔ اسماعیل بن حماد الجوہری/ الصحاح/ تحقیق: احمد عبدالغفور الطبعۃ الثانیۃ/ ۱۹۷۹ء/ ۴/ ۵۴۷

۲۔ انظر: ابن منظور جمال الدین محمد بن مکرم/ لسان العرب/ ایران: نشر ادب لحوزۃ/ ۳/ ۳۶۵
۔۳۶۷

۳۔ سورۃ المائدۃ/ ۱۰۰

۴۔ ابن قدامہ المقدسی عبداللہ بن احمد/ روضۃ الناظر و جنۃ المناظر/ الطبعۃ الاولی/ ۱۹۸۱ء/
بیروت: دارالکتاب العربی/ ۳۴۳۔

۵۔ الغزالی ابی حامد محمد بن محمد/ المستصفی / الطبعۃ الاولی/ ۱۳۲۴ھ/ مصر: المطبعۃ الامیریۃ/ ۴/
۔۳۸۷

۶۔ روضۃ الناظر/ ۳۴۳۔

۷۔ محب اللہ بن عبدالشکر البہاری/ فواتح الرحموت مع/ المستصفی / الطبعۃ الاولی/ ۱۳۲۴ھ/ مصر:
المطبعۃ الامیریۃ/ ۷/ ۴۰۰

۸۔ محمد علی الشوکانی/ ارشاد الفحول/ الطبعۃ الاولی/ ۱۹۳۷ء/ مصر: مصطفی البابی الحلبی / ۴۶۵

۹۔ محمد علی الشوکانی/ القول المفید/ الطبعۃ الاولی/ دائرۃ المعارف الاسلامیہ/ ۱۴۰۴ھ/ ۱۶۔ ۱۷
شاہ ولی اللہ/ حجۃ اللہ البالغۃ/ ۱/ ۱۴۲

۱۰۔ عبدالحمید متولی/ الشریعۃ الاسلامیہ/ ۵۱۔

۱۱۔ ملاحظہ ہو: عبدالحلیم محمود/ المذاہب الفقہیۃ/ ۱۵/ یہ ایک مضمون ہے جو کہ منبر الاسلام میگزین
میں ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔

۱۲۔ الموسوعۃ الفقہیۃ/ ۲۴۱۔

۱۳۔ ابن خلدون/ المقدمۃ/ ۴۴۸۔

۱۴۔ انظر: ابن قدامۃ/ روضۃ الناظر/ ۳۴۳۔
الکلوذانی ابوالحسن محفوظ بن احمد/ التمہید فی اصول الفقہ/ تحقیق: محمد بن علی/ الطبعۃ الاولی/ مکۃ
المکرّمۃ/ ۱۹۸۵ء/ ۴/ ۳۹۶۔

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

الآمدی علی بن محمد/ الاحکام فی اصول الاحکام/تحقیق : عبدالرزاق عفیفی الطبعۃ الاولیٰ/ بیروت : المکتب الاسلامی/ ۱۳۴۷ھ/۴/۴۴۳۔

کمال الدین محمد بن عبدالواحد/ التحریر مع التیسیر/مصر: مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی/ ۱۳۵۱ھ/۴ /۴۴۳۔

۱۵۔ التمہید فی اصول الفقہ/۴/ ۳۹۸۔

۱۶۔ خطیب بغدادی احمد بن علی/ الفقیہ والمتفقہ/ ریاض : دارالافتاء السعودیہ/ ۱۳۸۹ھ/۴/ ۶۷ ۔۶۸۔

۱۷۔ ھذا قال بہ الآمدی علی بن محمد والاستاذ المصافر الدکتور عبداللہ محمد الجبوری انظر : الاحکام فی اصول الاحکام/۴/ ۲۲۸ وہامش کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول لابی الولید البابی سلیمان بن خلف/تحقیق :الدکتور عبداللہ الجبوری/ الطبعۃ الاولیٰ/ موسسۃ الرسالہ/ ۱۹۸۹ء/ ۶۳۶۔

یہی چیز امام غزالی نے منخول اور مستصفی میں اور ابوالولید الباجی نے احکام الفصول میں اور ابن قدامہ نے روضۃ الناظر میں ذکر کی ہے۔

ملاحظہ ہو : المنخول : تحقیق : محمد حسن ہیتو/ الطبعۃ الثانیۃ/ دمشق : دارالفکر/ ۱۹۸۰ء/ ۴۷۲ والمستقی/ ۴/ ۳۸۹ و احکام الفصول/ ۶۳۶ و روضۃ الناظر/ الطبعۃ الاولیٰ/ بیروت : دارالکتاب العربی/ ۱۹۸۱ء/۳۴۴۔

۱۸۔ حشویۃ وہ لوگ تھے جو قرآن کی آیات کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے لئے جسم ثابت کرتے یعنی خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے ہاتھ کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد ہاتھ ہی ہے آج کل سعودیہ کے بہت سے علماء جن پر سلفیۃ غالب ہے اسی رجحان اور عقائد کے حامل ہیں۔ محمد امین شنقیطی نے اپنی کتاب اضواء البیان میں اس موضوع پر بڑا زور دیا ہے۔ حشویہ کو حشویہ اس لئے کہا گیا کہ جسم کو حشو کہتے ہیں اور چونکہ یہ گروہ مجسمہ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت کرتا ہے اس لئے انہیں حشویہ کہتے ہیں۔

اور تعلیمیہ ایک باطنی فرقہ ہے جس کا یہ کہنا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم امام ہوتا ہے اور جس کسی جتنا علم ہو، اس کا اس امام کو پتہ ہوتا ہے، ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی/ اصول

الفقہ الاسلامی/ الطبعہ الاولیٰ/ ایران :داراحسان/ ۱۹۹۷ء/۴/۱۱۲۲۔

۱۹۔ ملاحظہ ہو : المستصفی /۴/ ۳۸۹ و روضۃ الناظر/۳۴۴/ الاحکام/ ۲۲۸ التمہید/۴/ ۳۹۹ السمعانی ابوالمظفر منصور محمد/ قواطع الادلۃ فی اصول الفقہ / الطبعۃ الاولیٰ/ مکۃ المکرّمۃ : مکتبہ نزا مصطفیٰ الباز/ ۱۹۹۸ء/۲/ ۸۲۰، ابن برہان۔
احمد بن علی/ الوصول الی الاصول/ الطبعۃ الاولیٰ/ ریاض: مکتبۃ المعارف/۱۹۸۴ء/۴/ ۳۵۸، امام رازی فخرالدین محمد/ المحصول فی علم اصول الفقہ /تحقیق : طہ جابر فیاض الطبعۃ الاولیٰ/ ریاض : جامعۃ الامام محمد بن مسعود الاسلامیہ/۱۹۸۱ء/ ۶ / ۱۰۱ بصری ابوالحسین محمد بن علی/ المعتمد فی اصول الفقہ / تقدیم : الشیخ خلیل/الطبعۃ الاولیٰ/ بیروت : دارالکتب العلمیہ / ۱۹۸۳ء/۲/ ۳۶۰ ۔الشیر ازی ابواسحاق ابراہیم/ اللمع فی اصول الفقہ مع تخریج احادثیہ: تخریج : ڈاکٹر یوسف عبدالرحمٰن/ الطبعۃ الاولیٰ/ بیروت : عالم الکتب/۱۹۸۴ء/ ۳۴۸، عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی/ اصول مذہب الامام احمد/ الطبعۃ الثالثۃ/ ریاض :مکتبۃ الریاض الحدیثۃ/۱۹۸۰ء/ ۶۷۹۔
عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی/ اصول مذہب الامام احمد/ الطبعۃ الثالثۃ/ ریاض :مکتبۃ الریاض الحدیثۃ/۱۹۸۰ء/ ۶۷۵ ـ۶۸۳۔

۲۰۔ سورۃ البقرۃ/۱۶۹۔

۲۱۔ ملاحظہ ہو: اصول مذہب الامام احمد/۶۸۴ ـ ۶۸۵ ـ اصول الفقہ الاسلامی/۲/ ۱۱۲۸

۲۲۔ سورۃ الزخرف/۲۲ـ۲۳۔

۲۳۔ اصول الفقہ الاسلامی/۴/ ۱۱۲۸۔

۲۴۔ نفس المصدر/۲/ ۱۱۲۸۔

۲۵۔ سورۃ الاسراء/ ۳۶۔

۲۶۔ محمد علی الشوکانی / القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید / الطبعۃ الاولیٰ لکران : دائرۃ المعارف الاسلامیہ/۱۴۰۲ھ/ ۴۷۔

۲۷۔ نفس المرجع/۳۴۔

۲۸۔ سورۃ البقرۃ/۱۷۰۔

۲۹۔ ملاحظہ ہو: تیسیر التحریر/۴/۲۴۳ وامام غزالی محمد بن محمد/ المنخول/تحقیق: محمد حسن ہیتو/ الطبعۃ الثانیۃ/ دمشق: دار الفکر/۱۹۸۰ء/۳/۴۷۳ والمحصول/۶/۱۰۱۔۱۰۳

۳۰۔ سورۃ التوبۃ/۳۱۔

۳۱۔ القول المفید/۲۹۔

۳۲۔ Encyclopeadia of Bartanica, 1950. Articla on the Topic "Pope" / 18/ 222 - 223.

۳۳۔ Same source/ Article on the Topic "Infalliblity"/ 12/ 318.

۳۴۔ سورۃ المائدۃ/۱۰۴

۳۵۔ القول المفید/۳۰

۳۶۔ سورۃ الزخرف/۲۳۔۲۴۔

۳۷۔ سورۃ البقرۃ/۱۶۶۔۱۶۷۔

۳۸۔ سورۃ الانبیاء/۵۲۔۵۳۔

۳۹۔ سورۃ الاحزاب/۶۷۔

۴۰۔ القول المفید/۳۰۔

۴۱۔ نفس المرجع/۳۰

۴۲۔ رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان و الطبرانی فی الصغیر والاوسط اور یہ حدیث صحیح ہے/ ملاحظہ ہو: جلال الدین السیوطی/ الجامع الصغیر/۲/۹۷۔

۴۳۔ اصول الفقہ الاسلامی/ دکتور وھبہ زحلی/۱۱۲۹۸۲/۲۔

۴۴۔ المحصول/۶/۱۰۲۔۱۰۳اور اصول مذہب الامام احمد/۶۸۵۔

۴۵۔ اسے بخاری اور مسلم، ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو الجامع الصحیح الامام البخاری مع حاشیۃ السندی/ بیروت: دارالفکر/ کتاب التوحید/۴/۳۰۹۔
صحیح امام مسلم مع شرح النووی/ الطبعۃ الثانیہ/ بیروت: دار احیاء التراث العربی/ کتاب القدر/۱۶/۱۹۷

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

سنن ابی داؤد مع حاشیۃ السندی / مکتبہ السنۃ المحمدیۃ / کتاب السنۃ / حدیث رقم ۴۵۲۹ و ۴۵۴۵/ ۶۲/۷ـ۶۳، ۷۷ـ۷۵۔

۴۶۔ اصول الفقہ الاسلامی/۴/ ۱۱۲۹۔

۴۷۔ القول المفید/ ۳۰ـ۳۱۔

۴۸۔ نفس المرجع/ ۲۱۔

۴۹۔ نفس المرجع/ ۲۱۔

۵۰۔ شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی/ شرح تنقیح الفصول/تحقیق: طہ عبدالرؤف/ الطبعۃ الاولی/ شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المقدہ/۱۹۷۳ء/ ۴۳۰۔

۵۱۔ القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید/ ۲۳۔

۵۲۔ نفس المرجع۔

۵۳۔ ملاحظہ ہو: امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ الجوینی/ البرہان/تحقیق: عبدالعظیم دیب/ الطبعۃ الثانیہ/ قاہرۃ: دارالانصار/۲/ ۱۳۵۷ـ۱۳۵۸۔

وابی اسحاق الشیرازی/ التبصرۃ فی اصول الفقہ/۴۱۴ـ امام غزالی/المنخول/۴۷۲/۲ـ۴۷۳ المستصفی /۴/ ۴۸۷ وابن برہان احمد بن علی/ الوصول الی الاصول/تحقیق: عبدالحمید/ الطبعۃ الاولی/ ریاض: مکتبۃ المعارف/۱۹۸۴ء/۲/ ۳۵۸ ومابعدھا۔

الامام رازی فخر الدین/ المحصول/ ۶ / ۱۰۱ والآمدی علی بن محمد/ الاحکام/۴/ ۲۲۱۔

۵۴۔ اصول مذہب الامام احمد/ ۶۷۷۔

۵۵۔ نفس المرجع/ ۶۷۷۔

۵۶۔ نفس المرجع/ ۶۸۳۔

۵۷۔ ملاحظہ ہو: ابوالخطاب الکلوذانی / التمہید /۴/ ۳۹۹ وابن قدامۃ/ روضۃ الناظر/ ۳۴۳ـ ۳۴۴، اصول مذہب الامام احمد/۶۷۴ـ ومابعدھا۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆